اخلاق حسنہ

احادیث نبوی کی روشنی میں

محمد ایوب اکرم القاسمی، ریسرچ اسکالر اے۔ ایم۔ یو۔ علی گڑھ

اعلیٰ انسانی اخلاق کیا ہے اور زندگی میں ان کی کیا اہمیت ہے اس مسئلہ پر مختلف علمائے عمرانیات اور دوسرے اہل فکر حضرات نے بہت کچھ لکھا اور کہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ انسانی زندگی کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ اخلاق کی حیثیت اور اہمیت کو مختصر ترین لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ "اخلاق دراصل زندگی کے طریقے و سلیقے اور قرینے کا نام ہے اور اس طریقے کا تعین اور اس سلیقے کا حصول دراصل اخلاقیات کا حقیقی موضوع ہے۔

یہ بات بھی اپنی جگہ واضح ہے کہ اخلاق اور فلسفۂ اخلاق کا گہرا تعلق خود انسان کے تصور زندگی کے ساتھ ہے زندگی کا مادی تصور ایک مختلف فلسفۂ اخلاق اور جداگانہ نظام اخلاق تجویز کرتا ہے جبکہ زندگی کا روحانی تصور اپنے مخصوص فلسفۂ اخلاق کے تحت ایک بالکل مختلف نظام کی تشکیل کو لازم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کائنات کی اور انسان کی تخلیق و پیدائش اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنفسہٖ کی ہے اور اس تخلیق کا مقصد اس امر میں انسان کی آزمائش ہے کہ وہ اس عارضی مہلت حیات میں حسن و عمل کا مظاہرہ کرتا ہے یا بدعملی کا۔ حسن عمل کا صلہ موت کے بعد ایک دوسری اور ابدی زندگی کی ابدی نعمتیں ہیں اور بدعملی کی سزا ایک ہمیشہ رہنے والی زندگی "عذاب حیات" ہے۔

اسلام کے عطا کردہ اس تصور حیات کی رو سے انسان کا اصل اخلاقی مسئلہ یہ ہے کہ وہ سیرت و کردار کا ایسا کون سا پہلو اختیار کرے جو اس کے مقصد زندگی کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہوسکے اور کردار و عمل کے وہ کون سے پہلو ہیں جو اس مقصد کی تکمیل میں مانع ہوتے ہیں اور اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان دراصل اپنے پورے کارنامۂ حیات کے ذریعے اپنی ایک شخصیت کی تعمیر کرتا ہے اس کا ہر انداز فکر اور ہر طریقۂ عمل دراصل ایک اخلاقی سامان تعمیر ہے جس سے وہ اپنی شخصیت کے حسن و قبح کی عمارت تیار کرتا ہے اس کی اس شخصیت کی اچھائی اور برائی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر میں سامان حسن عمل کا استعمال ہوا ہے یا بدعملی کا۔ اس کی بنیاد سلیم افکار و کردار اور پاکیزہ اعمال پر قائم ہوئی ہے یا فاسد اور برے اعمال پر رکھی گئی ہے اگر وہ دیکھنا ہو کہ حیات اخروی میں کسی انسان کو کیا مقام حاصل ہونے والا ہے تو اس کی اس شخصیت کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے جو خود اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی اور تعمیر کی ہے یہ شخصیت بول کر کہے گی کہ آخرت میں اس کی جائے اقامت کہاں ہونی چاہیئے آیا اس کو کوئی پاکیزہ اور شاندار مسکن میسر آنا چاہیئے یا کسی اسفل مقام بد اس کا ٹھکانا بننا چاہیئے۔ قرآن کریم کی آیتیں اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ قیامت کے روز ہر شخص اپنی اس شخصیت کے ساتھ اٹھے گا جس کے ساتھ وہ خود اس دنیا سے رخصت ہوا ہے ظاہر ہے اس کی اس شخصیت سے مراد کسی شخص کا وہ دنیاوی مقام و مرتبہ یا کمائی گئی وجیہ حیثیت بالکل نہیں ہے جو اسے اس مادی دنیا میں میسر آئی یا حاصل ہوئی۔ بلکہ اس سے مراد اخلاقی حیثیت ہے جس پر وہ قائم رہ کر اس نے مادی دنیا میں زندگی گزاری اور اسی حیثیت کے ساتھ اس کا دفتر عمل اکمال و اتمام کو پہنچا اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح یہ سوچ کر اندازہ کر لینا چاہیئے کہ ہم اس دنیا میں اپنے افکار و اعمال کے مسالے سے اپنی شخصیت کی کس قسم کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اخلاق فاضلہ اور بلند کرداری کا فہم و شعور بھی حاصل کریں اور اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے انہیں سانچے میں ڈھالنے کے لئے سعی پیہم اور جد و جہد کرتے رہیں۔ اور اخلاق سیئہ سے آگاہ ہو کر ان سے ہر ممکن اجتناب کرتے رہیں۔

دین و اخلاق

جیساکہ ما قبل ذکر کیا جا چکا ہے کہ اخلاق دراصل زندگی کے طریقے و سلیقے اور قرینے کا نام ہے اور اسی طریقے کی تعلیم و تربیت درحقیقت دین کا حقیقی و اصلی مقصد ہے یعنی انسان کو اس مقصد حیات سے آگاہ کر کے اس کے تقاضوں سے روشناس کرانا اور اس کی تکمیل کے قابل بنانا۔ چنانچہ ہمارے نزدیک حقیقی اخلاق وہی ہیں جو دین کی تعلیم و ہدایت ہیں دین کے واسطے و ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے ہمیں زندگی کا

وہی قرینہ وہی سلیقہ مطلوب ہے جو حق جل مجدہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" یعنی میں بلند اخلاق کی تکمیل و تعلیم کے لیے بھیجا گیا ہوں دوسری روایت میں "حسن الاخلاق" کے الفاظ آئے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں اعلیٰ اخلاق رکھتے تھے۔ (متفق علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے بارے میں قرآن مجید میں شہادت موجود ہے۔ "انک لعلی خلق عظیم"۔ بیشک آپ اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔

آئندہ سطور میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کن اخلاق حسنہ کی تعلیم فرمائی ہے اور کن برے اخلاق سے اجتناب کرنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ انسان کے اخلاق اصلاح و تہذیب کے ربانی اصول و معیار ہمارے سامنے واضح ہو کر آسکیں۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی و گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك وكرهت ان یطلع الناس" (مسلم)

نیکی اخلاق و کردار کی اچھائی کا نام ہے اور برائی وہ جو تیرے دل میں خلش پیدا کرے اور تو اس بات کو ناپسند کریگا کہ لوگ اس سے آگاہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ وہ چیز کیا ہے جو لوگوں کو بکثرت جنت میں لے جانے کا سبب بنے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تقوی اللہ وحسن الخلق" خوف خدا اور حسن اخلاق" پھر عرض کیا گیا کہ وہ کیا چیز ہے جو لوگوں کو کثرت سے جہنم میں لے جانے کا سبب بنے گی۔ فرمایا "الفم والفرج" یعنی منہ اور شرمگاہ۔ (ترمذی)

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اپنے منہ کو لگام نہیں دیتے اور شہوت کے مقام سے نہیں بچتے۔ مندرجہ بالا ارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی اچھائی

دراصل ایمان کی پختگی اور خدا خوفی کا ثمر ہے اور دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں۔ ایمان کے بغیر اخلاق پاکیزگی کا اور کردار کی اچھائی کے بغیر خدا ترسی کا اور خدا خوفی کا تصور بے معنی ہے اس حسن خلق کی بدولت مومن کو اطمینان قلب کی عظیم دولت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا اطمینان قلب اس کو سیرت و کردار کی وہ عظمت عطا کرتا ہے کہ اس کے بعد نفس کی کوئی ترغیب، شیطان کی کوئی تحریک، دنیا کی کوئی تحریص اور اقتدار باطل کی کوئی تخویف اس کو راہ راست سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں خندہ پیشانی سے ملنا اور سلام سے گفتگو کا آغاز کرنا یہ چیزیں ایک اصولی اہمیت رکھتی ہیں کہ نیکی کا کوئی کام حقیر نہیں ہے خواہ وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ اور بدی کا کوئی کام معمولی نہیں خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا تحتقرن من المعروف شیئاً ولو أن تلقی أخاك بوجه طلیق" (مسلم) کسی نیکی کے کام کو حقیر مت سمجھو خواہ وہ یہی کیوں نہ ہو کہ تم اپنے بھائی سے ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔

اسی طرح سلام سے آغاز ملاقات و کلام کا حکم دیا گیا ارشاد ہے "افشوا السلام بینکم" (مسلم) مراد ہے کہ اہل ایمان جب بھی ملیں باہمی سلامتی اور ایک دوسرے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی دعا کرتے ہوئے ملیں۔

یہ خوش اخلاقی حسن معاشرت کا نقطۂ آغاز ہے بہت سے تعلقات اس وجہ سے کشیدہ یا ختم ہو جاتے ہیں کہ افراد کے اندر خوش خلقی کا جذبہ کم ہوتا ہے یا ہوتا بھی ہے لیکن اس کا مظاہرہ کرنے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ چونکہ اہل ایمان ایک ایسی جماعت ہیں جس کی باہمی تنظیم و استواری اور استحکام غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اس لئے عام ملاقاتوں اور روزمرہ کی بے تکلف گفتگوؤں کو بھی ایک خاص سلیقے اور شائستگی کے قالب میں ڈھال دینا ضروری سمجھا گیا اور جہاں خوشگوار تعلقات کی استواری کے لئے بعض بڑی بڑی ہدایتیں دی گئی ہیں وہاں اس چھوٹی سی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا کہ اہل ایمان کا رسمی میل جول کس کیفیت اور کس شان کا حامل ہونا چاہیئے۔

نرم خوئی، متحمل مزاجی، بردباری، عفو و درگزر اور ایثار و قربانی، یہ ساری صفات دراصل

حلم نرمی اور انسان نرمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ حلم نرمی ایمان کے نتیجہ کے طور پر خدا کے انعام
فرمائے واحد و مقدس پہلوان انسان کے اندر جس قسم کی افراط کی بات ہے اس کو دور
چونکہ ایسی تمام صفات منسوب ہو کر کسی بھی شخصیت کا لازمی جز بن جاتی ہیں۔ صفات حمیدہ کے
جگہ خالی کر دیں اسی لئے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں بے شمار مقامات پر مذکورہ بالا صفات
کی تحسین کی گئی ہے۔ اور ان شخصیتوں میں ان کو پروان چڑھانے کی تلقین کی گئی ہے جیسے
مشتعل مزاجی، منتقم طبیعت، بدخوئی، وحشی طبع، جلد بازی، عدم تدبر اور تحمل و تنگدلی کی
ضد ہیں اور ان سے اسلامی معاشرت کے انفرادی و اجتماعی مزاج کا آب و رنگ متعین ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ان فیک خصلتین یحبھما اللہ الحلم و الاناۃ" (مسلم) بیشک تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے ایک بردباری دوسری وقار و سنجیدگی

حدیث قدسی ہے: "من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ" جو شخص نرمی سے محروم ہوتا ہے وہ ہر طرح کی بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تغضب" غصہ میں نہ آؤ، اس شخص نے متعدد مرتبہ یہی سوال دھرایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سوال کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا اور اسے بار بار یہی نصیحت فرمائی۔ (بخاری)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد پچیس برس تک آپ کی خدمت میں رہیں نبوت کے شروع دنوں میں آپ کو ان لفظوں سے تسلی دیتی رہیں "خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ بے سہارا لوگوں اور غریبوں کی امداد کرنے والے ہیں مہمانوں کی خاطر داری کرنے والے ہیں حق کی حمایت کرنے والے ہیں اور مصیبت میں لوگوں کے کام آنے والے ہیں"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو شروع نبوت سے آخر عمر تک کم و بیش ۲۳ سال خدمت اقدس میں رہے ان سے ایک مرتبہ شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آپ کے اخلاق و عادات

کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "آپ خندہ رو، خندہ جبیں، رحمدل تھے سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالتے تھے عیب جو نہ تھے کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے چشم پوشی فرما لیتے تھے۔ اپنے نفس سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے تین چیزیں بالکلیہ دور کر دی تھیں۔ بحث و مباحثہ کرنا، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین چیزوں سے پرہیز کرتے تھے کسی کو برا نہ کہتے تھے کسی کے اندر کے حالات کی ٹوہ میں اور تلاش میں نہیں رہتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہ کرتے وہی باتیں کرتے جن سے کوئی صحیح اور مفید نتیجہ نکلتا کوئی باہر کا آدمی اگر آپ کے پاس تشریف لاتا اور بیباکی سے گفتگو کرتا تو تحمل فرماتے اور برداشت سے کام لیتے دوسروں کے منہ سے اپنی تعریفیں سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ کے احسان اور اکرام و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے نہایت فیاض، نہایت سچے، نہایت شیریں مزاج اور نہایت خوش صحبت تھے اگر کوئی اچانک آپ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا۔ لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا اور بے تکلف ہو جاتا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے پورے دس برس خدمت اقدس میں گذارے مگر اتنی لمبی مدت میں آپ نے مجھے نہ کبھی ڈانٹا، نہ کبھی مارا۔ نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا آپ نے تمام عمر کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔

ایفائے عہد اور وعدے کا پاس و لحاظ آپ کی ایسی خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کو ماننے پر مجبور تھے شہنشاہ روم نے حضور کی سچائی اور صداقت کو پرکھنے کے لئے ابوسفیان سے جہاں اور بہت سارے سوال کئے تھے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ "کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی بدعہدی کی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔

صفوان بن امیہ اسلام لانے سے پہلے دین حق کے بہت سخت دشمنوں میں سے تھے جب فتح مکہ ہوا تو وہ بھاگ کر امن کے ارادے سے جدہ چلے گئے آپ کے پاس ایک صحابی نے آکر واقعہ بیان کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ مبارک عطا فرمایا کہ یہ عمامہ صفوان کے پاس

نے جاذبیرا عامہ سفیان کے امان کی نشانی ہے۔ چنانچہ یہ صحابی آپ کے عامہ کو لے کر مسلمانوں کے پاس پہونچے اور کہا کہ تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے امان ہے جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کیا آپ نے مجھے امان دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

مسلمان ہی نہیں غیر مسلموں کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق اور اچھے برتاؤ کے بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں مدینہ میں ان کے پاس ملنے کے لئے تشریف لائیں اسماء کو خیال ہوا کہ غیر مسلموں و مشرکوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں دریافت کیا آپ نے فرمایا ان کے ساتھ نیکی کرو۔

ابوبصرہ غفاری کہتے ہیں کہ وہ اسلام لانے سے پہلے مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے رات کو تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ نے کچھ نہیں فرمایا اور میری اس حرکت کی وجہ سے پورا گھر بھوکا رہا۔

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن، مومن، کافر، مسلم، غیر مسلم کسی کی خصوصیت نہ تھی۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آپ اس کی عیادت کرنے تشریف لے گئے۔ ــــــــــــ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی مزاج پرسی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ زمانہ نبوت میں ایک حبشی مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے معمولی سمجھ کر آپ کو اس کی خبر نہ کی ایک دن آپ نے از خود اس حبشی کا حال دریافت کیا حاضرین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس کا تو انتقال ہو گیا آپ نے فرمایا تم لوگوں نے مجھے اس کی خبر نہ دی۔ پھر آپ نے اس کی قبر دریافت کی اور وہاں جا کر اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

بخاری مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے کہ بخل و تنگدلی سے بچو کیونکہ اس سے پہلے امت کے لوگوں کو بخل و تنگدلی ہی نے ہلاک و برباد کر دیا۔ ان کو اسی بخل و تنگدلی نے ایک دوسرے کے خون بہانے اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر لینے پر

اسلئے اسلام نے ان سے سخت اجتناب و پرہیز کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ ان صفات کے بغیر اسلامی معاشرت کی امتیازی شان اجاگر نہیں ہو سکتی۔

اخوت و باہمی خیر خواہی:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے مثل عمارت کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت و طاقت پہنچاتا ہے۔ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے بتلایا۔ (متفق علیہ)

پھر فرمایا: "قسم ہے اس ذات بابرکت کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جبتک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت تمیم داریؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الدین النصیحۃ" دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کے قائدین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔ (مسلم)

اخوت و نصیحت دو ایسی بنیادیں ہیں جن پر اسلامی معاشرت میں افراد کے باہمی تعلقات کی عمارت کھڑی ہے حقیقی بھائی چارے اور باہمی ہمدردی و خیر خواہی کا جو مفہوم بھی کسی معاشرے کے اندر ممکن ہو سکتا ہے وہ سب اسلامی معاشرے کے اندر اتم موجود ہے اور مطلوب بھی، لیکن اس امتیاز کے ساتھ کہ اسلامی معاشرے میں یہ رشتہ اخوت اللہ اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ پر ایمان کے ساتھ وابستہ اور انہی آداب و مقاصد کا پابند ہے۔ جو اس کے لئے متعین فرما دیئے گئے ہیں اس رشتہ اخوت کو مضبوط و مستحکم بنانے والی ہر چیز پسندیدہ و مستحسن اور اسکو نقصان پہنچانے والی ہر چیز قابل نفرت اور لائق باز پرس ہے۔

اسلامی معاشرے کے افراد کے درمیان اخوت کی روح وہ نصیحت ہے جس کی تاکید الدین النصیحۃ کے ارشاد سے فرمائی گئی ہے اور جسے دوسرے لفظوں میں حسن اخلاق اور حسن نیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس کیفیت کا نام ہے جس میں ایک مومن کی سوچ اور عمل کا ہر انداز ملت اسلامیہ کی انفرادی و اجتماعی فلاح اور دین خداوندی کی سرفرازی و کامرانی کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔

(ختم شد)